محمد یامین عثمان *

علامہ اقبال اور عطیہ فیضی: باہمی روابط کے دو تاریخ ساز اثرات

عطیہ فیضی اپنی ذہنی لیاقتوں اور معاشرتی سرگرمیوں کے علاوہ، بیک وقت کئی مشاہیر ادب کے ساتھ روابط کے حوالے سے بھی معروف ہیں۔خاص طور پر علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء–۱۹۱۴ء) اور علامہ اقبال (۱۸۷۷ء–۱۹۳۸ء) کے ساتھ ان کے روابط کو علمی و ادبی حلقوں میں بڑی توجہ کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔اپنے وقت کی ان اہم ترین شخصیات کے ساتھ روابط نے جہاں عطیہ فیضی کو شہرت بخشی وہیں ان روابط کے مفید اثرات بھی ظاہر ہوئے۔زیرِ نظر مضمون میں اقبال، عطیہ روابط کے دو اہم اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

علامہ اقبال کے ساتھ عطیہ بیگم (۱۸۷۷ء–۱۹۶۷ء) کے روابط کا آغاز برطانیہ کے دارالحکومت لندن میں ہوا جہاں یہ دونوں شخصیات حصولِ علم کے سلسلے میں قیام پذیر تھیں۔ہم ان روابط کا احوال بیان کرنے سے پہلے دونوں شخصیات کے اُس سماجی اور علمی پس منظر پر بھی ایک نگاہ ڈال لیتے ہیں جس کے ساتھ ان کے روابط کا آغاز ہوا۔

علامہ اقبال جب برطانیہ پہنچے تو ان کے پاس فلسفے کے مضمون میں ایم اے کی سند موجود تھی جو انھوں نے ۱۸۹۹ء میں حاصل کی تھی اور ایم اے کے امتحان میں کامیابی کے فوراً بعد مئی ۱۸۹۹ء میں انھوں نے اورینٹل کالج میں میکلوڈ عریبک ریڈر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز بھی کر دیا تھا۔یہ ملازمت ۱۹۰۳ء تک جاری رہی اور

دورانِ ملازمت ہی علامہ نے چھے ماہ کی رخصت لے کر گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے بھی تدریس کے فرائض انجام دیے تھے۔[۱] اورینٹل کالج کی ملازمت کے بعد وہ دوبارہ گورنمنٹ کالج لاہور سے وابستہ ہو گئے اور برطانیہ روانگی تک وہیں انگریزی اور فلسفے کی تدریس میں مصروف رہے۔[۲] علامہ اقبال کو فلسفے کی تعلیم کے دوران ڈاکٹر تھامس واکر آرنلڈ (Thomas Walker Arnold) (۱۸۶۴ء–۱۹۳۰ء) سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ ڈاکٹر آرنلڈ نے ان پر خاص توجہ دی اور بہت جلد ان کا یہ تعلق محبت اور دوستی کے رشتے میں تبدیل ہو گیا اور بقول شیخ عبدالقادر:

> یہی دوستی اور محبت شاگرد کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی۔[۳]

برطانیہ روانگی سے قبل علامہ کی اوّلین تصنیف علم الاقتصاد بھی منظر عام پر آچکی تھی جس کے لکھنے کی تحریک انھیں ڈاکٹر آرنلڈ کی طرف سے ہوئی تھی۔[۴] زمانۂ طالب علمی سے ہی علامہ اقبال نے ایک شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی تھی اور لاہور کے بازارِ حکیماں کے مشاعروں میں انھیں ارشد گورگانی جیسے بزرگ شاعر کی تعریف و توصیف بھی حاصل ہو چکی تھی۔[۵] اور بعد میں وہ انجمن حمایت الاسلام کے اجتماعات میں اپنا کلام پیش کرنے لگے تھے جہاں ان کا کلام سننے کے لیے عوام کی کثیر تعداد جمع ہوا کرتی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں جب مخزن جاری ہوا تو علامہ اقبال کا کلام مخزن میں بھی باقاعدگی سے شائع ہونے لگا۔ مدیر مخزن کے مطابق اقبال نے اپنی نظم "ہمالہ" جب مشاعرے میں سنائی تو بے حد پسند کی گئی تاہم علامہ کا خیال تھا کہ اس میں کچھ کمزوریاں ہیں لیکن اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے یہ نظم زبردستی حاصل کر لی اور مخزن کے پہلے شمارے اپریل ۱۹۰۱ء میں شائع کر دی اور یہیں سے ان کی عوامی شہرت کا آغاز ہوا اور مختلف اخبارات و رسائل کی طرف سے ان سے فرمائشیں ہونے لگیں۔ برطانیہ روانہ ہونے سے پہلے تک وہ مخزن کے ہر شمارے کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے رہے تھے۔[۶] اقبال کے خاندانی پس منظر پر نگاہ ڈالیں تو ان کی تربیت ایسے والدین کے ہاتھوں ہوئی جو بہت مذہبی خیالات کے حامل تھے۔ اقبال کے والد شیخ نور محمد کا یہ معمول تھا کہ جب وہ اقبال کو کوئی نصیحت کرتے تو قرآن مجید کی کسی آیت، حدیثِ مبارکہ یا اسوۂ رسولؐ سے سند کے طور پر بھی کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔[۷] اقبال کو ابتدائی تعلیم کے زمانے سے میر حسن (۱۸۴۴ء–۱۹۲۹ء) جیسے استاد کی رہنمائی میسّر آ گئی تھی جنھوں نے اقبال کو عربی، فارسی، تصوف اور ادبیات کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ علومِ اسلامیہ اور قدیم

علوم کے لیے ان کے اندر شوق اور جستجو پیدا کر دی تھی۔[۸] اقبال کی والدہ امام بی بی (م: ۱۹۱۴ء) ایک اچھی منتظم تھیں اور گھر داری کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کے ٹوپیوں کے کاروبار میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں ۔ وہ اپنے زمانے کی خواتین کے برخلاف توہمات پر بالکل یقین نہیں رکھتی تھیں ۔ ان کی تربیت نے اقبال کی شخصیت میں توازن پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔[۹] ازدواجی حیثیت سے دیکھا جائے تو برطانیہ آمد کے موقعے پر اقبال نہ صرف شادی شدہ تھے بلکہ دو بچوں معراج بانو (۱۸۹۵ء–۱۹۱۴ء) اور آفتاب اقبال (۱۸۹۸ء–۱۹۷۹ء) کے والد بھی تھے ۔ اقبال کی پہلی بیگم کریم بی بی (۱۸۷۴ء–۱۹۴۷ء)، جن سے ان کی شادی ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو ہوئی تھی، گجرات کے ایک کشمیری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ۔ ان کے والد خان بہادر شیخ عطا محمد ایک معروف ڈاکٹر تھے اور کچھ وقت کے لیے وائسرائے ہند کے اعزازی سرجن بھی رہ چکے تھے۔[۱۰] برطانیہ آمد کے موقعے پر اقبال کے قریبی دوست شیخ عبدالقادر پہلے سے لندن میں موجود تھے اور اقبال نے ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ان کے ہاں ایک رات قیام کرنے کے بعد ۲۵ ستمبر کو کیمبرج کا سفر اختیار کیا۔[۱۱] اقبال کو برطانیہ میں ان کے محبوب استاد ڈاکٹر آرنلڈ کی رفاقت و رہنمائی بھی میسر تھی جو ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت ختم کر کے لندن میں قائم انڈیا آفس لائبریری میں نائب لائبریرین کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔[۱۲] اقبال نے یورپ میں اپنی تعلیم کا آغاز کیمبرج یونی ورسٹی سے کیا اور یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ٹرینٹی کالج میں درجہ اعلیٰ کے طالب علم (advance student) کی حیثیت سے داخل ہوئے۔[۱۳]

دوسری طرف عطیہ بیگم نہ صرف خود تعلیم یافتہ تھیں بلکہ ان کا تعلق بمبئی میں مقیم ایک ایسے سلیمانی بوہرہ خاندان سے تھا جہاں تعلیم کو بہت اہمیت حاصل تھی اور بلاتفریق مرد و زن حصولِ علم کے مواقع سب کو میسر تھے۔ عطیہ بیگم کی والدہ اور بہنیں تعلیم یافتہ اور ادبی ذوق کی حامل تھیں ۔ ان کی والدہ امیر النساء (۱۸۴۹ء–۱۹۰۸ء) ایک ناول نادر بیان اور دعائیہ نظموں کے مجموعے آمین کی مصنفہ تھیں ۔ عطیہ کی بڑی بہن زہرا فیضی (۱۸۶۶ء–۱۹۴۰ء) ڈراما ''تال خاتون'' اور کئی مضامین کی مصنفہ ہونے کے ساتھ ساتھ تہذیبِ نسواں، خاتون اور عصمت کی اولین قلم کاروں میں شامل تھیں ۔ منجھلی بہن نازلی رفیعہ سلطان (۱۸۷۴ء–۱۹۶۸ء) بمبئی کے جنوب میں واقع ریاست جنجیرہ کے والی نواب سر سدی احمد خاں (۱۸۶۲ء–۱۹۲۲ء) کی بیگم اور اردو کے اولین نسائی سفرناموں میں سے ایک سیرِ یورپ کی مصنفہ تھیں ۔

ان کے والد حسن علی فیضی (۱۸۴۷ء–۱۹۰۳ء) بھی تعلیم یافتہ تھے اور کئی زبانیں جانتے تھے۔ پھر عطیہ بیگم کے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے علی اکبر فیضی بھی 'کوپر زہل کالج' لندن سے اپنی تعلیم مکمل کر کے ۱۸۸۲ء میں وطن واپس پہنچے تھے۔[۱۴] ان کی بیگم زبیدہ بنت فتح علی نے بھی برطانیہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔[۱۵] عطیہ بیگم کی چچا زاد بہنیں امینہ بنت بدرالدین طیب جی، امینہ بنت نجم الدین طیب جی، رافعہ بنت بدرالدین طیب جی اور نسیمہ بنت بدرالدین طیب جی بھی لندن سے تعلیم یافتہ تھیں۔[۱۶] اور جب عطیہ بیگم لندن پہنچیں تو رافعہ اور نسیمہ ۱۹۰۴ء سے لندن میں تعلیم کے حصول میں مصروف تھیں۔ عطیہ بیگم کو ہندوستان میں رہ کر بہت سے شاہی خاندانوں سے راہ ورسم بڑھانے کے مواقع نازلی رفیعہ بیگم، جو کہ نواب صاحب جنجیرہ کی بیگم تھیں، کے ذریعے حاصل تھے اور انھوں نے ان مواقع کا فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ کپورتھلہ کی رانی کنواری سے ان کی گہری دوستی تھی، اس کے علاوہ ریاست بڑودہ کے مہاراجہ سیاجی راؤ گائیکواڑ اور ان کی بیگم بھی عطیہ کی صلاحیتوں کے معترف اور قدر دان تھے۔ انھوں نے لندن میں قیام کے دوران عطیہ بیگم سے کئی ملاقاتیں بھی کی تھیں۔[۱۷] اسی طرح مہارانی کوچ بہار نے بھی لندن میں عطیہ بیگم سے ملاقات کی۔[۱۸] عطیہ بیگم کی سہیلی اور ہندوستان کے مشہور ٹاٹا خاندان کی بہو رتن ٹاٹا کی بیگم نوازبائی ٹاٹا بھی ان کی دلجوئی کے لیے لندن میں موجود تھیں[۱۹] جو نہ صرف تعلیم یافتہ تھیں بلکہ یورپ کی تہذیب و معاشرت سے بھی پوری طرح آگاہ تھیں۔ عطیہ بیگم اپنے ساتھ وہ خود اعتمادی بھی لے کر پہنچی تھیں جو انھوں نے اپنے زمانے کی خواتین کے برعکس پردے کی پابندی نہ کر کے اور کئی مشاہیر سے براہِ راست گفتگو کے ذریعے حاصل کی تھی۔ ان کے پاس انگریزی اخبارات و رسائل میں مضامین لکھنے کا تجربہ بھی تھا جس کا بیسویں صدی کی ابتدا میں کسی مسلم خاتون کے پاس ہونا ایک عجوبے سے کم نہ تھا۔ ۱۹۰۲ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے شاہی دربار میں عطیہ بیگم نے نہ صرف نازلی بیگم اور نواب صاحب جنجیرہ کے ساتھ شرکت کی تھی بلکہ اس دربار کے احوال پر مبنی ایک رپورٹ تحریر کر کے کسی انگریزی جریدے میں شائع بھی کروائی تھی۔[۲۰] اسی طرح خاندان کے ایک نوجوان عبداللطیف کو اپنے امتحان میں کامیابی پر ایک سو پچاس پاؤنڈ کا وظیفہ ملا تو عطیہ بیگم نے اس کی خبر بھی *Indian Ladies Magazine* میں شائع کرائی اور اخبار نامہ احمدی میں ۲۳ جون ۱۹۰۲ء کو اس کا اندراج بھی کیا۔[۲۱] انھوں نے ۱۹۰۳ء میں بمبئی میں منعقد ہونے والی تعلیمی کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ خواتین کو پس پردہ اجلاس میں شرکت کی اجازت دی گئی تھی اور مس

سوسی سہراب جی نے تعلیمِ نسواں پر ایک لیکچر بھی دیا تھا۔[۲۲] عطیہ بیگم نے اس موقعے پر جسٹس بدرالدین طیب جی کی جانب سے شرکائے کانفرنس کے اعزاز میں دی جانے والی پارٹی میں بھی شرکت کی تھی اور کئی مشاہیر سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔[۲۳] جسٹس بدرالدین طیب جی تعلیمِ نسواں کے حامی بھی تھے اور اپنے خاندان کی خواتین کی تعلیمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ عطیہ بیگم کی بڑی بہن زہرا فیضی بھی تعلیمِ نسواں کی اوّلین کارکنان میں شامل تھیں۔ انھیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ ۱۹۰۵ء میں علی گڑھ میں ہونے والی زنانہ کانفرنس کی صدارت انھوں نے کی تھی۔[۲۴] اس کانفرنس میں اور اس سے متصل نمائش میں عطیہ بیگم نے بھرپور حصہ لیا تھا۔[۲۵]

عطیہ بیگم جب لندن پہنچیں تو انھیں علامہ عبداللہ یوسف علی (۱۸۷۲ء۔۱۹۵۳ء) کی رہنمائی اور سرپرستی بھی حاصل ہو گئی۔ علامہ عبداللہ یوسف علی انڈین سول سروس کے قابل افسران میں شمار کیے جاتے تھے اور عطیہ بیگم کی لندن آمد کے وقت مشہور تعلیمی ادارے لنکنز ان میں بار ایٹ لا کی تکمیل میں مصروف تھے۔[۲۶] علامہ انھیں ایک آرٹ گیلری کے private view میں بھی لے گئے تھے۔[۲۷] اسی طرح لندن کے علمی حلقوں سے متعارف کرانے کے لیے علامہ نے انھیں لندن کی سوسائٹی اوف لٹریچر کے ایک مذاکرے میں شرکت کی دعوت بھی دی تھی۔ اس مذاکرے میں اہلِ علم سے ہونے والی ملاقات اور گفتگو نے عطیہ بیگم کو بہت متاثر کیا تھا۔[۲۸] یہ ایک اتفاق ہے کہ عطیہ بیگم اور علامہ اقبال دونوں ہی ستمبر کے مہینے میں برطانیہ کے دارالحکومت لندن پہنچے تھے۔ علامہ اقبال ۱۹۰۵ء میں اور عطیہ بیگم ۱۹۰۶ء میں، اور دونوں کو اپنی آمد کے وقت سمندر کی تند و تیز موجوں کا سامنا کرنا پڑا، دونوں نے جہاز سے مکتوب تحریر کیے اور سمندر کی اس کیفیت کو کم و بیش ایک ہی انداز میں محسوس اور بیان کیا۔ اقبال نے اپنے مکتوب میں سمندر کی تیزی کے حوالے سے لکھا:

> بمبئی سے ذرا آگے نکل کر سمندر کی حالت کسی قدر متلاطم تھی۔ خواجہ خضر صاحب کچھ خفا معلوم ہوتے تھے۔ اتنی اونچی اونچی موجیں آتی تھیں کہ خدا کی پناہ۔ دیکھ کر دہشت آتی تھی۔[۲۹]

اور عطیہ بیگم نے اپنے مکتوب میں لکھا:

> میرے خیال میں نہ تھا کہ بڑے آگبوٹ کا ہلنا کیا چیز ہے۔ جب وہ اوپر نیچے ہوتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بڑے بڑے غار موجوں کے پڑ جاتے ہیں۔ اس کے درمیان آگبوٹ نیچے جاتا

ہے۔اس وقت ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غرق ہو رہا ہے۔[۳۰]

اقبال کی یورپ میں تعلیم کے اخراجات ان کے بھائی شیخ عطا محمد نے برداشت کیے تھے۔[۳۱] جب کہ عطیہ بیگم سرکاری وظیفے پر لندن پہنچی تھیں، جو انھیں معلّمہ بننے کے لیے دو سالہ کورس کی تکمیل کے سلسلے میں دیا گیا تھا۔[۳۲] تاہم عطیہ بیگم اس کورس کی تکمیل نہ کر سکیں اور تقریباً ایک سال کے قیام کے بعد ۲۷ ستمبر ۱۹۰۷ء کو ہندوستان لوٹ آئیں۔

دونوں شخصیات کے سماجی اور علمی پس منظر کے اس جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علمی سطح پر علامہ اقبال کو مکمل برتری حاصل تھی اور خود عطیہ بیگم کی بعض تحریروں سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ علامہ اقبال کی علمیت سے بہت مرعوب تھیں۔ دوسری جانب سماجی میدان میں عطیہ فیضی زیادہ فعال اور معروف تھیں۔ تاہم اس فعالیت نے انھیں ان کی لندن آمد کے اصل مقصد یعنی تربیت معلّمی کے کورس کی تکمیل سے دور کر دیا۔ لیکن ان دونوں شخصیات کے روابط کا ایک بہت مفید اور اہم ثمر عطیہ بیگم کی یادداشتوں پر مشتمل ان کی کتاب *Iqbal* کی صورت میں سامنے آیا جس سے علامہ اقبال کے قیامِ یورپ کے بعض ایسے حالات کا راست علم ہوتا ہے جو دوسری صورت میں شاید کبھی سامنے نہ آ سکتے۔ اسی کتاب میں علامہ اقبال کے وہ مکاتیب بھی شامل ہیں جو انھوں نے عطیہ بیگم کے نام تحریر کیے اور جن کا مطالعہ اقبال شناسی کے لیے ناگزیر ہے۔

عطیہ بیگم نے قیامِ یورپ کی یادداشتوں اور اقبال کے مکاتیب کو ایک طویل عرصے تک اپنے پاس محفوظ رکھا۔ ۱۹۴۵ء میں مرکزی بزمِ اقبال حیدرآباد نے یومِ اقبال منایا تو عطیہ بیگم کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔[۳۳] اس وقت تک اقبال اور عطیہ بیگم کے روابط منظرِ عام پر نہ آئے تھے۔ عطیہ بیگم "بزمِ اقبال" کے صدر نواب حسن یار جنگ (م: ۱۹۸۲ء) کی کوششوں سے بے حد متاثر ہوئیں۔ انھوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

> مجھے نواب حسن یار جنگ بہادر کی قائم کردہ بزمِ اقبال کے ایک جلسے میں مدعو کیا گیا تھا یہاں فلسفۂ اقبال کی تعلیم و تشریح ایسی صداقت اور ایسی دلچسپی کے ساتھ عمل میں لائی جاتی ہے کہ میں نے ایسے ادارے کے قیام کی منشا کی طاقت کو محسوس کر لیا اور جب میں نے دیکھا کہ کس قدر تکلیف، قربانی اور محنت کے ساتھ کام جاری رکھا جاتا ہے تو مجھ پر غیر شعوری طریقے پر اس کی صداقت اور عزم کا اثر پڑا۔ میں نے نواب حسن یار جنگ کو اس اسلامی تعلیم کا کہ علم حاصل

> کہ سب سے افضل چیز ہے اور اس کی تلاش کے لیے انسان کو دنیا کے دوسرے کنارے بھی جانا چاہیے، مجسم نمونہ پایا۔[۳۴]

عطیہ بیگم بزمِ اقبال کی سرگرمیوں سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انھوں نے اگلے سال بمبئی میں اپنے قائم کردہ ادارے ''اکیڈمی اوف اسلام'' کے زیرِ اہتمام ''یومِ اقبال'' منانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور نواب حسن یار جنگ سے اس یومِ اقبال کے اختتامی اجلاس کی صدارت کی درخواست کی۔ عطیہ بیگم نے انجمنِ اسلام کے ہائی اسکول میں ۱۲۷پریل ۱۹۴۲ء کو یومِ اقبال منعقد کیا جس کی افتتاحی تقریب کے لیے نواب حسن یار جنگ بمبئی پہنچے۔ یومِ اقبال کی اس تقریب میں نواب ہوش یار جنگ کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا جو انھوں نے اس موقعے کے لیے حیدر آباد سے خصوصی طور پر بھجوایا تھا۔ نواب حسن یار جنگ نے صدارتی تقریر کی اس کے بعد پروفیسر نجیب اشرف ندوی (۱۹۰۱ء–۱۹۶۸ء) اور رئیس احمد جعفری (۱۹۰۸ء–۱۹۸۶ء) نے علامہ اقبال پر اپنے مقالات پیش کیے۔[۳۵] غالباً بمبئی میں ہونے والی اس تقریب میں ہی عطیہ بیگم نے نواب حسن یار جنگ سے اُن خطوط کا بھی تذکرہ کیا جو علامہ اقبال نے ان کے نام تحریر کیے تھے اور پھر اُن کے اصرار پر ہی انھوں نے علامہ اقبال کے اپنے نام لکھے گئے خطوط اور وہ نظمیں جو انھیں اقبال نے مختلف مواقع پر بھیجی تھیں اپنی یادداشتوں کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی کتاب *Iqbal* کے دیباچے میں جسے انھوں نے "Raison Detre" کا عنوان دیا ہے عطیہ بیگم لکھتی ہیں:

> It was Nawab Hasan Yar Jung who suggested the idea, and I could not do better than fall in with his suggestion; hence the appearance of these poems before public.[۳۶]

عطیہ بیگم کی یہ تصنیف فروری ۱۹۴۷ء میں منظرِ عام پر آئی اسے ''اکیڈمی اوف اسلام'' کے زیرِ اہتمام شائع کیا گیا اور اس کے پہلے صفحے پر نواب حسن یار جنگ بہادر کی تصویر کے ساتھ ان کی علم دوستی کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔[۳۷] نواب حسن یار جنگ کی تصویر کے مقابل عطیہ بیگم کے نو مسلم شوہر فیضی رحمین (۱۸۸۰ء–۱۹۶۴ء) کی پورے صفحے کی تصویر ہے۔ اٹھاسی صفحات پر مشتمل اس مختصر کتاب میں عطیہ بیگم نے یورپ میں اقبال سے اپنی ملاقاتوں کی تفصیلات تحریر کی ہیں اور سات تصاویر کے علاوہ اقبال کے ان خطوط کا عکس

بھی شائع کیا ہے جو اپریل ۱۹۰۷ء سے دسمبر ۱۹۱۱ء کے دوران تحریر کیے گئے۔ ان خطوط کی تعداد نو ہے۔ ۱۹۵۶ء میں ضیاءالدین برنی (م: ۱۹۶۹ء) نے، جو عطیہ فیضی سے خاصے قریب تھے اور جنھوں نے *Iqbal* کے پروف بھی پڑھے تھے، اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا جسے اقبال اکیڈمی کراچی نے شائع کیا۔[۳۸] اس ترجمے میں علامہ کا ایک خط شامل ہے جو اصل تصنیف میں موجود نہیں ہے یہ خط اقبال نے ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو تحریر کیا تھا۔[۳۹] ہو سکتا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب عطیہ بیگم نے کتاب تحریر کی اس وقت یہ خط انھیں نہ ملا ہو اور کتاب کی اشاعت کے بعد دستیابی پر انھوں نے اسے ترجمے کے ساتھ شائع کروا دیا ہو۔ اس خط کے علاوہ ترجمے میں ایک اور اضافہ عطیہ بیگم کی ڈائری ہے۔ اس ڈائری میں یکم اپریل ۱۹۰۷ء سے ۴ ستمبر ۱۹۰۷ء تک کے اندراجات موجود ہیں۔ ڈائری کی ابتدا میں ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں:

> یہ مختصری ڈائری ہے مگر تفصیلی ڈائری محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ کے پاس موجود ہے جسے غالباً وہ علاحدہ کتابی صورت میں شائع کریں گی۔ محترمہ فلسفہ وغیرہ کے مطالعے کے سلسلے میں اس زمانے میں انگلستان میں قیام پذیر تھیں جب کہ اقبال بھی وہاں موجود تھے۔ اگر محترمہ اپنی یہ ڈائری نہ لکھتیں تو اقبال کی زندگی کا وہ حصہ محض تاریکی میں رہتا جو انھوں نے علم کے حصول کی خاطر انگلستان اور جرمنی میں بسر کیا تھا۔ اس ڈائری سے اقبال کے ادبی اور سوشل مشاغل پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ان اکابر سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے جن سے اقبال کے تعلقات تھے۔ مثلاً بلگرامی اور عبدالقادر وغیرہ۔ آرنلڈ تو خیر ان کے استاد تھے ہی لیکن اس کے باوجود وہ جس محبت اور احترام کے ساتھ اقبال سے پیش آتے تھے اور جس فراخ دلی سے وہ ان کی خداداد قابلیتوں کا اعتراف کرتے تھے وہ بجائے خود بہت سبق آموز ہے۔ اگر یہ ڈائری نہ ہوتی تو استاد و شاگرد کے اس باہمی سلوک کا اندازہ نہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ ڈائری "بقامت کہتر ولے بہ قیمت بہتر" کا حکم رکھتی ہے۔[۴۰]

عطیہ بیگم نے بھی ان خطوط کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے روزنامچوں کی صورت میں تحریر کیے تھے۔ عطیہ بیگم *Iqbal* میں لکھتی ہیں:

> In giving a correct and complete idea of my experiences and knowledge of Iqbal I do not wish to depend upon my memory alone, and as I have easy access to original letters

> I had written from Europe to my sisters as a personal record of my observations in the form of a private diary, I am able to give day to day information, which will explain the distinctive characterstics, mental peculiarities, and certain eccentricities which helped to build the personality of Iqbal in his student days in Europe.[۴۱]

اس اقتباس میں عطیہ بیگم نے اپنے قیامِ یورپ کے دوران بہنوں کے نام تحریر کیے جانے والے جن خطوط کا ذکر کیا ہے، وہ ۱۹۰۶ء میں زمانۂ تحصیل کے عنوان سے تہذیبِ نسواں میں روزنامچے کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور بعد ازاں ۱۹۲۲ء میں انھیں کتابی صورت میں بھی زمانۂ تحصیل کے عنوان سے ہی شائع کیا گیا تھا۔[۴۲] یہ خطوط بھی ان نوادرات کا حصہ ہیں جو عطیہ بیگم نے فیضی رحمین آرٹ گیلری کے قیام کے لیے اس وقت کی بلدیہ کراچی کے حوالے کیے تھے۔ یہ خطوط اردو میں تحریر کیے گئے ہیں اور ان میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔[۴۳]

عطیہ بیگم نے اپنی کتاب کی ابتدا ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء کے ایک واقعے سے کی ہے جب وہ اقبال کے ہمراہ ہائیڈل برگ جرمنی میں مقیم تھیں۔[۴۴] تاہم ان کی علامہ اقبال سے پہلی ملاقات یکم اپریل ۱۹۰۷ء کو لندن میں ہندوستانی طلبہ کے امور کی نگراں مس بیک (Miss Emma Beck)(م:۱۹۳۶ء) کی رہائش گاہ پر ہوئی تھی، جس کا احوال انھوں نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

> For the first of April, 1907, Miss Beck sent me a "special invitation" , to use her own expression, to meet a very clever man by the name of Muhammad Iqbal, who was specially coming from Cambridge to meet me. This caused me a little amusement as I had never heard of Iqbal before, and as I was used to getting such invitations from various Indians in London, it did not rouse more than passing curiosity. Miss Beck who looked after the welfare of Indian

> students in London and bestowed upon them a great deal of motherly care, had to be obeyed. At the dinner table I found Iqbal a scholar of Persian, Arabic and Sanscrit, a ready wit and ever alert in taking advantage of one's weak point, and hurling cynical remarks at his audience. Miss Beck had impressed on me the fact before he arrived that he had particularly wanted to see me and being straightforward and out spoken, I asked him the reason why. His deep-set eyes did not reveal if he meant to be sarcastic or complimentary when he said, "You have become very famous in India and London through your travel diary, and for this reason I was anxious to meet you". I told him, "I am not prepared to believe that you took the trouble to come all the way from Cambridge just to pay me this compliment, but apart from this jest, what is the real idea behind this object?" He was a bit taken by surprise at my sudden bluntness, and said, "I have come to invite you to Cambridge on behalf of Mr. & Mrs. Syed Ali Bilgrami as their guest, and my mission is to bring your acceptance without fail. If you refuse, you will bring the stigma of failure on me, which I have never accepted, and if you accept the invitation, you will be honouring the hosts.[۴۵]

اس اقتباس میں عطیہ بیگم نے اقبال سے اپنی ملاقات کی تفصیل بتاتے ہوئے اقبال کی طرف سے اپنے جس سفری روزنامچے کے سبب اپنی مقبولیت کا ذکر کیا ہے وہ ''زمانۂ تحصیل' تھا جواں دنوں تہـــذیـــبِ

نسواں میں شائع ہو رہا تھا۔ یکم اپریل ۱۹۰۷ء کو ہونے والی اس ملاقات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے عطیہ بیگم نے ذرا مختلف انداز سے بھی اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> At Miss Beck's place in London, where Indian students and visitors used to gather in those prosaic and uninspiring surroundings, I met Iqbal . An exchange of remarks on philosophical subjects made him correspond with me and he often asked my help in the choice of books and holiday locations. My course of reading in modern and ancient philosophy had just been completed and discussion on Plato and Nietzsche had shown a divergence in our views and interpretation of these philosophers.[۴۶]

اس اقتباس میں عطیہ بیگم نے غالباً اپنے آپ کو اقبال کے ہم پلہ ثابت کرنے کی خواہش کے زیرِ اثر واضح طور پر غلط بیانی سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی فلسفۂ قدیم و جدید کی تعلیم کی تکمیل اقبال سے ملاقات سے قبل ہوئی تھی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لندن میں فلسفے کی تعلیم حاصل کرنے نہیں بلکہ معلّمہ بننے کی تربیت حاصل کرنے گئی تھیں اور اس تربیت کے دوران ان کی سماجی مصروفیات اتنی زیادہ تھیں کہ انھیں اپنے نصاب کے مطالعے کا وقت بھی مشکل سے ملتا تھا اور اقبال سے ہونے والی پہلی ملاقات سے صرف چار روز پہلے یعنی ۲۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو وہ اپنے امتحان میں ناکام بھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے آٹھ مضامین کا امتحان دیا تھا جن میں سے انھیں پانچ مضامین میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔[۴۷] عطیہ بیگم نے ہندوستان میں رہتے ہوئے جو تعلیم حاصل کی تھی اس کا معیار یقیناً لندن میں دی جانے والی تعلیم سے کم تر ہی ہوگا اس لیے کہ ہندوستان میں اس دور میں خواتین کی بنیادی تعلیم پر ہی زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی تو اعلیٰ تعلیم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ عطیہ بیگم بہت ذہین تھیں اور ان میں اعتماد کی بھی کوئی کمی نہ تھی لیکن جب وہ لندن پہنچیں اور ان کی تعلیم کا آغاز ہوا تو وہ اپنی پہلے سے حاصل کردہ تعلیم کو ناکافی پا کر خاصی پریشان ہوئی تھیں اور انھوں نے اپنے مکتوب میں اس کا اظہار بھی ان الفاظ میں کیا تھا:

> اس قدر پڑھنے کا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ کیوں ہوگا۔ خیال کیجیے کہ ہم کو گویا elementary knowledge تو آتی ہی کالج میں داخلے کے پہلے [48] اب جو سیکھتے ہیں تو Theory of Education اور Practice of Education۔ اس کے معنی یہ ہیں مجھے تمام course کے علاوہ elementary بھی سیکھنا پڑتا ہے! اور تمام mental کرنے کا ہے کوئی مقرر کتابوں سے نہیں۔ البتہ ایک syllabus، Cambridge کا بتایا ہم کو۔ اگر آپ دیکھیں تو ڈر جائیں ایسے subjects ہیں کہ میں نے تو ان کتابوں کے نام تک نہیں سُنے تھے۔ [49]

اپنے اسی مکتوب میں یکم اکتوبر ۱۹۰۷ء کے احوال میں انھوں نے تختۂ نظام الاوقات بھی نقل کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہاں انھیں انگریزی ادب، جغرافیہ، جیومیٹری، تاریخ تعلیم، نباتیات اور حیوانیات کے مضامین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ کنڈرگارٹن (Kindergarten) کے طلبہ کی تعلیم کا مشاہدہ ان کی علمی تربیت کا حصہ تھا۔ [50] عطیہ بیگم کا خیال تھا کہ پندرہ روز تعلیم حاصل کرنے سے ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے کہ اگر چاہیں تو ہندوستان لوٹ کر ایک مختصر اسکول جاری کر سکیں۔ [51]

گذشتہ صفحات پر نقل کیے گئے اقتباس سے، جو عطیہ بیگم کے الفاظ میں اقبال سے ان کی پہلی ملاقات کے احوال پر مشتمل ہے، عطیہ بیگم فلسفے کی طالبہ کے روپ میں سامنے آتی ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ علمی سطح پر وہ اقبال کے برابر ہی تھیں لیکن دراصل وہ پہلی ملاقات کے بعد اقبال کے علم سے بے حد مرعوب ہوئی تھیں۔ اہلِ خانہ کے نام انھوں نے یکم اپریل ۱۹۰۷ء کے احوال پر مشتمل جو مکتوب بھیجا تھا وہ ان الفاظ پر مشتمل تھا:

> پیر یکم اپریل۔ آج Bank Holiday تمام دنیا باہر نکلی ہے.................. کھانے کے وقت ایک مسٹر اقبال نامی بڑے Professor، Cambridge میں ہیں یہ آئے۔ خاص مجھے ملنے کے لیے بلایا تھا مس بیک نے۔ میری اس ملک میں آ کر آنکھ کھلی کہ ہمارے ہندیوں میں کون سے درجے کے عالم موجود ہیں! کیا مخزن ہے علم کا۔ عربی فارسی کا تو یہ حال ہے کہ حافظ کے حافظ ہیں اور کہا کہ میں mood میں ہوتا ہوں تو حافظ کی spirit میں خود کو دے سکتا ہوں۔ کچھ زیادہ تو نہیں آتا نہیں معلوم آپ سنیں ان کو تو کیا کہیں اور کیا کریں Philosophy ان کی خاص subject ہے۔ سانسکرت میں خوب جانتے ہیں اب جرمنی جانے والے ہیں خاص اس کو study کرنے کے لیے German زبان میں اور پھر France جائیں گے French میں study کرنے کے لیے!! بس سُنتی جاتی تھی اور

> حیران ہوتی جاتی تھی! اور کتنی کم عمر کے ہیں بہ نسبت علم کے رات کو کھانے کو بلایا تھا مس بیک نے تعطیل پر کیمبرج سے یہاں آئے تھے اور لندن سے چلے جانے والے تھے اتفاق سے رہ گئے صرف۔ ایران میں خوب پھرے ہوئے ہیں اور ہمشیرہ جان مجھے خاص کہا ہے بابا فغانی کی ابیات ضرور کہیں سے بھی ڈھونڈ کر ملا کر[۵۲] پڑھنا۔ اور جب انھوں نے سُنا کہ آپ ایسی فارسی دان ہیں اور شوق ہے تو کہا کہ بس انگستان سے کچھ بھی کر کے ملا ویں۔ بات یہ ہے کہ چھپی ہوئی copies کم ہیں لکھی ہوئی ملیں گی مگر ہیں ہندوستان میں یہ ان کو معلوم ہے۔ کیا علم کا خزانہ۔ یہ بھی کھانا یاد رہ جائے گا مجھے۔ سچ جتنا ایسوں کو ملنے سے انسان سیکھتا ہے کتابوں سے نہیں سیکھتا۔ کہا کہ مس[۵۳] سید علی بلگرامی کو غضب کا شوق مجھ سے ملنے کا ہے اور وہ مجھے دعوت دینے والی ہیں۔ اپنے ہاں بلا کر رکھنے والی ہیں اور کہتے تھے کہ امید ہے کہ آپ ضرور جائیں گی۔ بڑا شوق رہا ان کو ملنے کا! پنجابی ہیں لاہوری۔ پھر تہذیب نسواں کے لیے کہا کہ اس میں آپ کا روزنامچہ پڑھنا، عجب کیفیت آتی ہے اور تمام ہندوستان میں گویا۔ پھر میں نے سب کہا کہ کس کے سبب سے میرا روزنامچہ چل رہا ہے۔ مجھے پیاری ہمشیرہ[۵۴] شروع میں معلوم ہوتا تھا مگر آج کئی مدت ہوئی خبر نہیں کہ کس طرح چلتا ہے؟ بہن جان آپ یا اموں[۵۵] آپ بھی نہیں لکھتیں کچھ؟ شاید ہمشیرہ جاری نہیں رکھ سکی۔ رات کو ۱۱ کے بعد مسٹر اقبال گئے۔[۵۶]

اس اقتباس کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ عطیہ بیگم نے اپنی پہلی ملاقات کی جو تفصیل اپنی کتاب میں تحریر کی ہے اس میں اور حقیقت میں کتنا فرق ہے۔ یہاں ایک اور بات واضح ہوتی ہے کہ اقبال کسی طے شدہ ضیافت کی دعوت دینے نہیں آئے تھے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دعوت کا ذکر ملاقات کے جواز کے طور پر کیا گیا تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیمبرج میں رہتے ہوئے اقبال کو عطیہ بیگم کی لندن میں موجودگی کا علم کیسے ہوا ہوگا؟ اس سوال کا جواب زمانۂ تحصیل میں موجود ہے۔ اقبال کے قریبی دوست شیخ عبدالقادر (۱۸۷۴ء–۱۹۵۰ء)، مدیر مخزن جو اُن دنوں لندن میں تھے، عطیہ بیگم سے مارچ کے اوائل میں مل چکے تھے اور عطیہ بیگم نے اپنے مکتوب میں ان سے ہونے والی ملاقات کا ذکر بھی کیا تھا جب کہ ''زمانۂ تحصیل'' میں ۴ مارچ ۱۹۰۷ء کے احوال میں ان کا ذکر اس طرح شائع ہوا تھا:

مسٹر عبدالقادر نے حافظؔ کی یہ غزل اچھے طرز سے پڑھی

جاناں ترا گفت کہ احوال ما پرس
بیگانہ باش و قصہ ہیچ آشنا مپرس[۵۷]

عطیہ بیگم نے مکتوب میں اس غزل کا تذکرہ کرنے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ جب عبدالقادر یہ غزل سُنا چکے تو اس کا ترجمہ بھی کیا اور بعد میں عطیہ بیگم سے اس پر تنقید کرنے کی فرمائش کی[۵۸] پھر اس ملاقات کے صرف ایک دن بعد یعنی ۶ مارچ ۱۹۰۷ء کو عبدالقادر اور مشیر حسین قدوائی (۱۸۷۸ء–۱۹۳۸ء) عطیہ بیگم سے ملاقات کے لیے گئے تھے اور انھیں ''عروس'' اور ''سہاگ'' نامی عطر کے تحفے پیش کیے تھے[۵۹] لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ عبدالقادر نے علامہ اقبال سے عطیہ بیگم کا ذکر کیا ہو اور ممکن ہے کہ عبدالقادر نے زمانۂ تحصیل میں اپنے ذکر سے بھی انھیں آگاہ کیا ہو اس لیے کہ اقبال نے پہلی ملاقات میں عطیہ بیگم سے زمانۂ تحصیل کی مقبولیت کا ذکر بھی کیا تھا اور اپنے آپ کو حافظؔ کا حافظ بھی ثابت کیا تھا اس ملاقات کے احوال کے مطالعے سے اقبال کی فلسفے کی تعلیم کے لیے جرمنی اور فرانس میں قیام کی خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے جو بہر حال پوری نہ ہو سکی۔

کیمبرج واپسی سے قبل اقبال نے عطیہ بیگم سے ایک اور ملاقات کی تھی جس کا احوال بیان کرتے ہوئے عطیہ بیگم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

> A few days later Iqbal invited me to supper at Frascati, a fashionable restaurant in London, to meet some German scholars with whom he was working. Everything was thoughtfully and delicately arranged at this dinner, and my remark of appreciation made him say, "I am two personalities in one, the outer is practical and business like and the inner self is the dreamer, philosopher and mystic." Apart from the dinner which was delicious in itself, I had an intellectual treat talking and discussing on deeper matters with the German philosophers and Iqbal. [۶۰]

اپنے مکتوب میں انھوں نے جو تفصیلات تحریر کی ہیں ان کے مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۰۷ء کو اقبال نے ان کے ساتھ چار بجے سے رات گیارہ بجے تک کا وقت گذارا تھا۔ عطیہ بیگم لکھتی ہیں:

> بدھ ۱۰ اپریل۔ آج کا دن بھی یاد رہ جائے گا۔ کیا مزا کیا کہ بس آج مسٹر اقبال یہاں ۴ بجے آئے اور میرے ساتھ چائے پی ایک کتاب لائے ہیں میرے مشاہدے کے لیے Alhambra کی 30sh قیمت ہے اوپر۔ ایسا ہوتا ہے بہن جان کہ آپ کے لیے کیوں[۶۱] بھیج دوں یہ تمام ۲ غزلیں بنائی ہیں ہم مس بیک کے ملنے اس کے دوسرے روز گویا فارسی میں وہ quote کی ہیں۔ پیاری اماں اور ہمشیرہ آپ لوگ اس کی خوبی سے واقف ہوسکیں گے جب میں آتے[۶۲] ہفتے لکھ بھیجوں گی کیا خزانہ ہے علم کا ان کے پاس بڑے فارسی دان اور غزلوں پر سے کچھ خیال آسکے گا شاید علم کا۔ آقی پیر کو ساتھ لکھ کرلانے والے ہیں تو دیکھنا۔ ساڑھے ۶ بجے یہاں سے نکلے ہم ساتھ اور Miss Townbee کے ہاں گئے اس کا at home میں بیشتر آپ کو لکھ چکی ہوں[۶۳] کہ ان کے ہاں تمام educationists اور literary circle جمع ہوتا ہے کہ جو ایک قابل چیز دیکھنے کی ہوتی ہے یہاں ہمارے اچھے دوست مسٹر عبدالقادر پنجابی عزیز وغیرہ Ritchie یہ سب موجود تھے refreshment بعد ہم جلد چلے یعنی کوئی پونے ۹ کو۔ پھر Frascati کے ہاں مجھے supper کھلایا۔ پیاری بہن جان یہ نیا restaurant ہے۔ اور کیا بنایا ہے بجلی، پھول سنہری اور سنگ مرمر بس اس کا ایک گنجاور pavilion کچھ ایک تماشا! Laden with flowers! لباس بیبیوں کے ایک تماشا دیکھا۔[۶۴] .... کیا dainty supper دیا کہ بس اور پھر مسٹر اقبال کی باتیں اور ابیات مطلب کہ میں کہتی ہوں کہ کبھی وہ supper نہیں بھولوں گی کھانا کھا چکے تو فوراً گویا ایک قد آور Algerian پورے اس کے خود کے لباس .... اس قدر effective معلوم ہوتا تھا کہ کیا بیان کروں۔ بہت کوشش کی دیکھنے کی کہ کیا پڑکا یا مگر اس خوبی اور صفائی سے کہ کیا مجال نہیں ہوئی۔ اور پیچھے سے پوچھنے کو گئی تو خوب small خود کو معلوم ہوئی۔ ایسا ڈھب کیا۔ کیا یہ بھی ایک شخص ہے۔ اور خود کہتے ہیں کہ میں ایک نہیں ہوں ۲ ہوں ایک earnest practical اور hard working دوسرے poet، philosopher اور dreamer! ایک گھنٹہ اس بناوٹی بہشت میں بیٹھے اور خوب سب کا

تماشا دیکھا واللہ! اور مکان پر تقریباً ۱۱ کے مجھے برابر پہنچا دیا۔ اور رات کو Frascati خواب میں آیا!۔[۶۵]

عطیہ بیگم کے مکتوب کے اس اقتباس پر بات کرنے سے پہلے اس کے آخری جملے کو پڑھتے ہوئے ذہن علامہ شبلی کے اس فقرے کی طرف جاتا ہے کہ ''جزیرے کا خواب بیداری میں بھی نظر آتا ہے۔''[۶۶] اگرچہ علامہ شبلی کو یہ خواب دو سال بعد ۱۹۰۹ء میں نظر آیا تھا لیکن وہ بھی جزیرے کی خوبصورتی اور ماحول سے ایسے ہی متاثر ہوئے تھے جیسے عطیہ بیگم ''فراسکاٹی'' کے ماحول سے ہوئی تھیں۔ فراسکاٹی ریستوران کی اس دعوت کا ذکر زمانۂ تحصیل میں بھی کیا گیا ہے لیکن وہاں اقبال کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔[۶۷]

سب سے اہم نکتہ جو اس اقتباس سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اس ملاقات میں اقبال نے عطیہ بیگم کو دو فارسی غزلوں کی اطلاع دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ انھوں نے عطیہ بیگم سے ہونے والی پہلی ملاقات کو منظوم کیا ہے۔ حال آنکہ اس وقت تک اقبال نے فارسی شاعری کی ابتدا نہ کی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اقبال نے اپنی فارسی شاعری کی ابتدا عطیہ بیگم کو غزلیں پیش کر کے کی اور اس کے پیچھے یقیناً عطیہ بیگم کی فرمائش کارفرما رہی ہوگی۔ اس طرح عطیہ بیگم اقبال کی فارسی شاعری کی محرک کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اس نتیجے کی تائید میں عطیہ بیگم کے مکتوب سے منقولہ بالا اقتباس کے علاوہ ایک اور ایسی سند بھی دستیاب ہے جو بعینہٖ عطیہ بیگم کے لکھے ہوئے جملوں کے مطابق ہے۔

شیخ عبدالقادر مدیر مخزن، بانگِ درا کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

......مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعے سے ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ فارسی غزلیں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔[۶۸]

اگر دونوں اقتباسات کو ملا کر پڑھا جائے اور مس بیک کے ہاں علامہ اقبال اور عطیہ بیگم کی ملاقات کو سامنے رکھا جائے اور عطیہ بیگم اور علامہ اقبال سے بیک وقت سر عبدالقادر کے مراسم بھی مدِ نظر ہوں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عطیہ بیگم علامہ اقبال کی فارسی شعر گوئی کا فوری محرک بنی تھیں اور یہ دونوں شخصیات کے باہمی روابط کی اثر پذیری کی ایک عمدہ اور مفید مثال بھی ہے۔ اگرچہ علامہ اقبال نے باقاعدہ فارسی شاعری یورپ سے واپسی کے بعد شروع کی اور ان کی پہلی فارسی تصنیف *اسرارِ خودی* ۱۹۱۵ء میں سامنے آئی لیکن عطیہ بیگم کو یہ اعزاز بہر حال حاصل ہوگا کہ نادانستگی اور لاعلمی میں انھوں نے علامہ اقبال کو ایک ایسے امتحان میں ڈالا جس سے علامہ اقبال نہ صرف سرخرو ہو کر سامنے آئے بلکہ انھیں اپنے ارفع خیالات کے اظہار کے لیے فارسی کے انتخاب کا موقع بھی ملا اور بعد میں اقبال نے فارسی کی طرف زیادہ توجہ کی۔ خود اقبال فارسی کو شعر گوئی کے لیے منتخب کرنے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

> اردو کو چھوڑ کر فارسی میں شعر کہنے شروع کرنے کے متعلق اب تک مختلف لوگوں نے مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج میں یہ راز بھی بتا دوں کہ میں نے فارسی میں شعر کہنے کیوں شروع کیے۔ بعض اصحاب خیال کرتے ہیں کہ فارسی زبان میں نے اس لیے اختیار کی کہ میرے خیالات وسیع حلقے میں پہنچ جائیں۔ حالانکہ میرا مقصد اس کے برعکس تھا۔ میں نے اپنی مثنوی *اسرارِ خودی* ابتدا میں صرف ہندوستان کے لیے لکھی تھی اور ہندوستان میں فارسی سمجھنے والے بہت کم تھے۔ میری غرض یہ تھی کہ جو خیالات میں باہر پہنچانا چاہتا ہوں وہ کم از کم حلقے تک پہنچیں۔ اس وقت مجھے یہ خیال بھی تھا کہ یہ مثنوی ہندوستان کی سرحدوں سے باہر جائے گی یا سمندر کا سینہ چیر کر یورپ پہنچ جائے گی۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد فارسی کی دلکشی نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور میں اسی زبان میں شعر کہتا رہا۔[۶۹]

۲۴ اپریل ۱۹۰۷ء کو ٹرینٹی کالج کیمبرج سے علامہ اقبال نے اپنے خط کے ساتھ ایک فارسی غزل بھی عطیہ بیگم کو بھیجی اور اس پر ان کی تنقید بھی طلب کی یہ غزل بھی غالباً فارسی میں طبع آزمائی کے ابتدائی ایام کا نمونہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ انھی دو غزلوں میں سے ایک ہو جن کا ذکر عطیہ بیگم نے اپنے مکتوب میں کیا تھا:

اے گُل ز خارِ آرزو، آزاد چوں رسیدۂ
تو ہم ز خاکِ ایں چمن مانندِ ما دمیدۂ

اے شبنم از فضائے گل، آخر ستم چہ دیدۂ
دامن ز سبزہ چیدۂ تا بفلک رسیدۂ
از لوح خویش باز پرس، قصۂ جرمہائے ما
آخر جواب تا سزا، از لب ماشنیدۂ
با من بگو کہ مثلِ گل ہموارۂ شاخ بستہ باش
مانند موج بو مرا، آوارہ آفریدۂ
ہنگامۂ دیر یک طرف، شورش کعبہ یک طرف
از آفرینش جہاں، درد سرے خریدۂ
ہستیم ما گدائے تو، یا گدائے ماستی
بہر نیاز سجدہ، درپس ما ودیدۂ
افق اگر بدستِ ما، حلقہ بگرد تو کشیم
ہنگامہ گرم کردۂ، خود از میان رمیدۂ
اقبال غربت توام، نشتر بدل ہمی زند
تو در ہجومِ عالمے یک آشنا ندیدۂ[۷]

اس غزل کے مقطع میں اقبال نے دنیا کے ہجوم میں اپنی تنہائی کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ان کی اس وقت کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال ہندوستان سے یورپ کے لیے روانہ ہوئے تو شادی شدہ ہونے کے باوجود اپنی ازدواجی زندگی سے خوش اور مطمئن نہ تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کی بھیڑ میں اپنا کوئی آشنا نہ ہونے کا گلہ کر رہے ہیں۔ اس غزل کے بارے میں بشیر احمد ڈار نے عروض کے ماہرین کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ یہ غزل کسی مقررہ وزن کے مطابق نہیں ہے۔[۱۷] جس سے اس امکان کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ انھی دو فارسی غزلوں میں سے ایک ہوگی جن کا ذکر عطیہ بیگم نے اپنے مکتوب میں اور شیخ عبدالقادر نے بانگِ درا کے دیباچے میں کیا ہے۔ چونکہ اقبال اپنی نظموں وغیرہ کے معیار سے عام طور پر مطمئن نہ ہوتے تھے اور ان میں ترمیم و تنسیخ کا عمل جاری رکھتے تھے جیسا کہ شیخ عبدالقادر کے بیان سے، جو انھوں نے اقبال کی مشہور نظم ''ہمالہ'' کے حوالے سے بانگِ درا کے دیباچے میں تحریر کیا ہے، ظاہر ہوتا ہے تو فارسی میں بھی یہی عمل جاری رہا ہوگا اور اسی لیے اقبال کا فارسی کلام ان کی اوّلین مشق کے کئی سال بعد منظرِ عام پر آیا۔

علامہ اقبال اور عطیہ فیضی کے ان روابط کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اقبال کو زندگی کے ایک ایسے دور میں جب وہ شدید جذباتی کش مکش سے گذر رہے تھے، عطیہ فیضی کی صورت میں ایک ایسا دوست اور راز داں میسر آیا جس کے سامنے انھوں نے سب کچھ کہہ ڈالا اور اس طرح ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ عطیہ بیگم کی ذہانت اور معاملہ فہمی کے سبب اقبال کو اس کیفیت سے نکلنے میں مدد ملی جس کا جاری رہنا نہ صرف اقبال کے لیے بلکہ زبان وادب اور اس سے بھی بڑھ کر برِ عظیم کی ملت اسلامیہ کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوسکتا تھا۔ جاوید اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> یورپ سے واپسی پر اقبال مالی مشکلات اور ازدواجی زندگی کی بے سکونی کے سبب کرب و اضطراب کی ایک ایسی کیفیت سے گذرے جس پر غالب آنے کے لیے انھیں وقتی طور پر کسی جذباتی سہارے کی ضرورت تھی، اور یہ سہارا کوئی ایسی ہستی ہی فراہم کرسکتی تھی جو ان کی یورپ میں فراغت کی مختصر زندگی کی دلکش یادوں کا جز ہو۔ پس عطیہ فیضی جیسی حاضر دماغ خاتون نے اپنی ہمدردانہ توجہ کے ذریعے انھیں مطلوبہ سہارا دیا۔[۴۷]

عطیہ بیگم کو ان روابط سے دو اعزازات حاصل ہوئے: ایک تو یہ کہ وہ اقبال کی فارسی شاعری کی محرک بنی اور اقبال نے اپنی اولین فارسی غزل پر ان سے رائے طلب کی، اس کے علاوہ اقبال نے جو راز و نیاز عطیہ فیضی کے ساتھ روا رکھا وہ کسی اور شخصیت کے حصے میں نہ آیا، دوسرا اعزاز ان کی تصنیف *Iqbal* ہے جس نے ایک طرف اقبالیات کے طالب علموں کے لیے اقبال کی زندگی کے ایک اہم گوشے کو روشن کردیا تو دوسری جانب عطیہ بیگم کا نام بھی اس حوالے سے ہمیشہ کے لیے یوں محفوظ ہوگیا کہ جب بھی اقبال کے قیامِ یورپ کا ذکر کیا جائے گا عطیہ فیضی کی تصنیف کا ذکر ناگزیر ہوگا۔

حواشی و حوالہ جات

* شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری سائنس اینڈ کامرس کالج، لیاری، کراچی۔

۱۔ جاوید اقبال، زندہ رود، حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء)، ص ۷۶و ۸۶۔
۲۔ ایضاً، ص ۹۰۔
۳۔ عبدالقادر شیخ، دیباچہ "بانگِ درا" مشمولہ کلیات اقبال (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۲۔
۴۔ جاوید اقبال، ص ۸۷۔

۵۔ خرم علی شفیق، *Iqbal, An Illustrated Biography* (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۶۔

۶۔ عبدالقادر شیخ، ص ۱۳۔

۷۔ جاوید اقبال، ص ۲۵۔

۸۔ ایضاً، ص ۲۰۔۲۱۔

۹۔ خرم علی شفیق، ص ۲۱۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۲۔۲۳۔

۱۱۔ جاوید اقبال، ص ۱۱۔

۱۲۔ سعید اختر درانی، اقبال یورپ میں (لاہور: فیروزسنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۹۲۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵۔

۱۴۔ اخبار نامہ قبیلہ طیبی فیضی (قلمی)، جلد پنجم (کراچی: بخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، اپریل ۱۸۷۹ء تا فروری ۱۸۸۵ء)، ص ۱۴۶۔

۱۵۔ حسین بی طیب جی، *Badruddin Tyabji: A Biography* (بمبئی: ٹھیکر اینڈ کمپنی، ۱۹۵۲ء)، ص ۷۹۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل مرتب محمد یامین عثمان (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۹۔۳۳۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۴۔

۲۰۔ اس رپورٹ کو عطیہ بیگم اور ان کے بھائی علی اطہر نے اخبار نامہ احمدی جلد دوم کے صفحات ۲۷۱ تا ۲۸۰ پر نقل کیا ہے تاہم تحریر کے کا نام تحریر نہیں کیا۔

۲۱۔ اخبار نامہ احمدی جلد دوم، ص ۲۴۳۔

۲۲۔ محمد امین زبیری، مسلم خواتین کی تعلیم (کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۷۱ء)، ص ۱۱۱۔

۲۳۔ عبدالرزاق کانپوری، یاد ایام (حیدرآباد: عہد آفریں پریس، ۱۹۴۶ء)، ص ۲۷۰۔

۲۴۔ ماہنامہ خاتون علی گڑھ (جنوری ۱۹۰۶ء)، ص ۵، ۹۔۱۲۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۵۔۳۶۔

۲۶۔ رزلیش کمارجین، *Muslims in India*، جلد اول (دہلی: منوہر، ۱۹۷۹ء)، ص ۴۹۔

۲۷۔ عطیہ بیگم فیضی، مکتوب بنام اہل خانہ غیر مطبوعہ (کراچی: بخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۶ء کا احوال)۔

۲۸ ایضاً، ۲۸ نومبر ۱۹۰۶ء کا احوال۔

۲۹۔ اقبال، "مکتوب بنام مولوی انشاء اللہ خاں" مطبوعہ ہفت روزہ وطن (۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء) بحوالہ کسری منہاس، "اقبال اور قیام یورپ" مشمولہ نقوش اقبال نمبر (دسمبر ۱۹۷۷ء)، ص ۵۷۲۔

۳۰۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل، ص ۳۔

۳۱۔ خرم علی شفیق، ص ۲۱۔

۳۲۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل، ص ا۔

۳۳۔ عبدالرؤف عروج، اقبال اور بزم اقبال حیدر آباد دکن (کراچی: دارالادب، ۱۹۷۸ء)، ص ۱۴۱۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۴۳۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۴۳۔۱۴۸۔

۳۶۔ عطیہ بیگم فیضی، *Iqbal* (بمبئی: اکیڈمی اوف اسلام، ۱۹۴۷ء)، دیباچہ۔

۳۷۔ عطیہ بیگم فیضی، *Iqbal*، صفحۂ اول۔

Iqbal کی تازہ اشاعت ڈاکٹر رؤف پاریکھ کے حواشی کے ساتھ ۲۰۱۱ء میں اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس کراچی کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔ تاہم اس میں سے حسن یار جنگ، فیضی رحمین اور عطیہ کے قیام یورپ کی ساتوں تصاویر کو نکال دیا گیا ہے۔

۳۸۔ ضیاء الدین برنی، مترجم اقبال از عطیہ بیگم (کراچی: اقبال اکیڈمی، ۱۹۵۶ء)۔

Iqbal کا ایک اور اردو ترجمہ عبدالعزیز خالد نے کیا ہے جاسے آئینۂ ادب، لاہور نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ *Iqbal* میں شامل خطوط کا ترجمہ بعض حواشی کے ساتھ ڈاکٹر منظر عباس نقوی نے خطوط اقبال بنام عطیہ فیضی کے عنوان سے کیا ہے اور اسے شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔

Iqbal میں شامل خطوط کا انگریزی متن بشیر احمد ڈار کی مرتبہ *Letters of Iqbal* میں حواشی کے ساتھ شامل کیا گیا ہے جسے اقبال اکیڈمی، لاہور نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۳۸۔۱۳۹۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۷۷۔

۴۱۔ عطیہ بیگم فیضی، *Iqbal*، ص ۱۴۔

۴۲۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل (آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۹۲۲ء)، دیباچہ۔

۴۳۔ یہ خطوط عطیہ بیگم نے کسی فرد خاص کے نام تحریر کرنے کی بجائے "دل وجان کے عزیزان" کے نام تحریر کیے ہیں لہٰذا ان کا حوالہ دیتے وقت حواشی میں مکتوب بنام اہلِ خانہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۴۴۔ عطیہ بیگم فیضی، *Iqbal*، ص ۹۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۴۷۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل، ص ۶۲۔

۴۸۔ یعنی کالج میں داخلہ حاصل کرنے والوں سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ پہلے سے ہی ابتدائی معلومات کے حامل ہوں۔

۴۹۔ عطیہ بیگم فیضی، مکتوب بنام اہلِ خانہ غیر مطبوعہ (کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، ۲۹ ستمبر ۱۹۰۷ء کا احوال)۔

۵۰۔ ایضاً، یکم اکتوبر ۱۹۰۷ء کا احوال۔

۵۱۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل، ص ۲۔

۵۲۔ یہاں لفظ "منگوا کر" ہونا چاہیے تھا ایک سطر کے بعد بھی عطیہ بیگم نے لفظ "ملاویں" لکھا ہے اس جگہ بھی "منگوائیں" ہونا چاہیے۔

۵۳۔ عطیہ بیگم نے اپنے مکاتیب میں کئی جگہ مسز بیگم کے لیے "مسس" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۵۴۔ ہمشیرہ سے مراد زہرا بیگم ہیں۔

۵۵۔ ”بہن جان“ سے مراد نازلی بیگم اور ”اموں“ والدہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تینوں خواتین عطیہ بیگم کی زیادہ تر مخاطب ہیں۔

۵۶۔ عطیہ بیگم فیضی، مکتوب بنام اہلِ خانہ غیر مطبوعہ (کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، یکم اپریل ۱۹۰۷ء کا احوال)۔

۵۷۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل، ص۵۷۔

۵۸۔ عطیہ بیگم فیضی، مکتوب بنام اہلِ خانہ غیر مطبوعہ (کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، ۴ مارچ ۱۹۰۷ء کا احوال)۔

۵۹۔ ایضاً، ۶ مارچ ۱۹۰۷ء کا احوال۔

۶۰۔ عطیہ بیگم فیضی، *Iqbal*، ص۱۵۔

۶۱۔ عطیہ بیگم ”کیوں“ کا لفظ کیسے یا کس طرح کے معنوں میں استعمال کرتی تھیں۔

۶۲۔ ”آتے“ کا لفظ آمدہ کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

۶۳۔ عطیہ بیگم نے ان کا ذکر ۲۲ نومبر ۱۹۰۶ء کے احوال میں کیا تھا اور یہ زمانۂ تحصیل میں اسی تاریخ کے تحت شائع ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو زمانۂ تحصیل، ص۳۸۔

۶۴۔ یہاں عطیہ بیگم نے اس ریستوراں کی بناوٹ تفصیل سے بیان کی ہے اور مرکزی گنبد کا خاکہ بھی بنایا ہے۔

۶۵۔ عطیہ بیگم فیضی، مکتوب بنام اہلِ خانہ غیر مطبوعہ (کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، ۱۰ اپریل ۱۹۰۷ء کا احوال)۔

۶۶۔ شبلی نعمانی، خطوطِ شبلی بنام عطیہ فیضی و زہرا فیضی، مرتب محمد امین زبیری (آگرہ: شمسی پریس، س ن)، ص۴۳۔

۶۷۔ عطیہ بیگم فیضی، زمانۂ تحصیل، ص۶۵۔

۶۸۔ عبدالقادر شیخ، دیباچہ ”بانگِ درا“، ایضاً، ص۱۶۔

۶۹۔ روئیداد لٹریری ایسوسی ایشن (لندن: ۶ نومبر ۱۹۳۱ء) بحوالہ جاوید اقبال، زندہ رود، حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء)، ص۲۰۲۔

۷۰۔ عطیہ بیگم فیضی، *Iqbal*، ص۱۸۔

۷۱۔ بشیر احمد ڈار، *Letters of Iqbal* (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۷۸ء)، ص۴۰۔

۷۲۔ جاوید اقبال، زندہ رود، حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور، ایضاً، ص۱۷۹۔

مآخذ

اخبار نامہ احمدی، احمد گنج مروڈ جزیرہ۔ قلمی۔ جلد دوم۔ کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، اگست ۱۸۹۸ء تا مئی ۱۹۰۴ء۔

اخبار نامہ قبیلہ طیبی فیضی۔ قلمی۔ جلد پنجم۔ کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری، اپریل ۱۸۷۹ء تا فروری ۱۸۸۵ء۔

اقبال، جاوید۔ زندہ رود، حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔

جین، نریش کمار۔ *Muslims in India*۔ جلد اول۔ دہلی: منوہر، ۱۹۷۹ء۔

درانی، سعید اختر۔ اقبال یورپ میں۔ لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۹ء۔

ڈار، بشیر احمد۔ *Letters of Iqbal*۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۷۸ء۔

زبیری، محمد امین۔ مسلم خواتین کی تعلیم۔ کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۱ء۔

شفیق، خرم علی۔ *Iqbal, An Illustrated Biography*۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، ۲۰۰۵ء۔

شیخ، عبدالقادر۔ دیباچہ "بانگِ درا"۔ مشمولہ کلیاتِ اقبال۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۴ء۔

طیب جی، حسین بی۔ *Badruddin Tyabji: A Biography*۔ بمبئی: تھیکر اینڈ کمپنی، ۱۹۵۲ء۔

عروج، عبدالرؤف۔ اقبال اور بزمِ اقبال حیدر آباد دکن۔ کراچی: دارالادب، ۱۹۷۸ء۔

فیضی، عطیہ بیگم۔ مکتوب بنام اہلِ خانہ۔ غیر مطبوعہ۔ کراچی: مخزونہ فیضی رحمین آرٹ گیلری۔

______۔ زمانۂ تحصیل۔ مرتب محمد یاسین عثمان۔ کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۱۰ء۔

______۔ زمانۂ تحصیل۔ آگرہ: مطبع مفیدِ عام، ۱۹۲۲ء۔

______۔ *Iqbal*۔ بمبئی: اکیڈمی اوف اسلام، ۱۹۴۷ء۔

______۔ *Iqbal*۔ مترجم عبدالعزیز خالد۔ آئینۂ ادب لاہور (۱۹۷۵)۔

کانپوری، عبدالرزاق۔ یادِ ایام۔ حیدرآباد: عہدِ آفریں پریس، ۱۹۳۶ء۔

منہاس، کسریٰ۔ "اقبال اور قیامِ یورپ"۔ مشمولہ نقوش اقبال نمبر (دسمبر ۱۹۷۷ء): ص ۲۷۵۔

نعمانی، شبلی۔ خطوطِ شبلی بنام عطیہ فیضی و زہرا فیضی۔ مرتب محمد امین زبیری۔ آگرہ: شمسی پریس، س ن۔